تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ یورپ کے عام مورخین اور خاص کر شارلیمن کے سوانح نگار "مسٹر ڈیوس" جو اس بات کے شاکی ہیں کہ مورخین وسعتِ قلب اور دقت نظر سے کام نہیں لیتے ہیں۔ خود بھی اس الزام سے بری نہیں۔ اپنی تصنیف میں صاحب موصوف نے "شارلیمن" کو نہ صرف انتظام مملکت میں خلیفہ عبدالرحمٰن سویم پر ترجیح دی ہے بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن خون بہانے کا شائق، تنگی اور متلون مزاج تھا۔ حالانکہ مشہور عرب مورخ علامہ مقری کی شہادت و قول کے مطابق خلیفہ عبدالرحمٰن تمام فرمانروایان یورپ اور اسپین میں سب سے زیادہ بااخلاق۔ حلیم۔ منکسر المزاج اور روشن خیال تھا، اس کی شرافت، عالی حوصلگی، اور انصاف ضرب المثل تھے۔ علاوہ بریں جب ہم خلیفہ کے دور حکومت پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ شارلیمن برتر تو کیا اس کا ہمسر بھی نہیں کہا جا سکتا۔ خلیفہ کی شاندار زندگی اور حکومت کا مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شارلیمن اس کے سامنے ایک طفلِ مکتب کی حیثیت رکھتا ہے زندگی کے ہر شعبہ میں خلیفہ نے ایک نئی روح پھونکی۔ اور ڈوبتی ہوئی قوم کو نہ صرف ڈوبنے سے بچایا بلکہ دنیا کی متمدن ترین قوم بنا دیا۔ علم و ادب، حسن کاری، صنعت و حرفت انتظام حکومت اور زراعت و تجارت میں چار چاند لگا دیئے۔ اسپین کو معلمِ اخلاق اور علمبردار تہذیب و تمدن بنا دیا۔ ملک کو دولت سے مالامال کر دیا برعکس اس کے شارلیمن نے نظم و نسق میں کوئی خاص اصلاحات نہیں کیں۔ نہ ہی اس کے دور میں ملک نے علم و ادب یا تہذیب و تمدن میں کوئی ترقی کی اور نہ کچھ زندہ جاوید عمارات یا فنون ہی عالم وجود میں آئے ان سب کوتاہیوں اور خامیوں کے باوجود کس طرح یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ شارلیمن عبدالرحمٰن سویم سے بلند و برتر مقام کا مستحق ہے عبدالرحمٰن کی صحیح تاریخی حیثیت و مرتبت

کا فیصلہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی تخت نشینی کے وقت ملک کی جو سیاسی فضا اور اخلاقی حالات تھے پہلے ان کا مطالعہ کریں اور پھر دیکھیں کہ جو مشکلات اور مسائل اس کے سامنے تھے ان کو وہ کس طرح اور کہاں تک حل کرنے میں کامیاب ہوا۔

اکتوبر ۹۱۲ئہ میں جب نوعمر عبدالرحمٰن سریر آرائے سلطنت ہوا ملک کی حالت نہایت ناگفتہ بہ تھی تمام ملک فتنہ و فساد کا مرکز بنا ہوا تھا اور اندلس پر تباہی کے بادل منڈلا رہے تھے۔ عبدالرحمٰن ثانی کے جانشینوں کی نااہلی اور آرام طلبی کی وجہ سے حکومت میں خلل واقع ہوگیا تھا اور سلطنت کی باگ ڈور خود غرض امیروں اور چالاک و چرب زبان مصاحبوں کے نالائق ہاتھوں میں آگئی تھی۔ جس کی وجہ سے ملک میں شورشوں اور بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا اور عبدالرحمٰن کی تخت نشینی کے وقت بھی ہر طرف لوٹ مار، بدامنی اور جھگڑوں اور فسادات کا دور دورہ تھا۔ امیر محمد کی پالیسی اور خاص کر امیر عبداللہ کی تلون مزاجی نے حکومت کی بنیادوں کو ہلا دیا تھا۔ امیر عبداللہ بذلہ سنج اور خوش گو سلطان تھا لیکن جوہر دماغی اور فوجی قابلیت سے مطلقاً عاری۔ جرات و بسالت کی کمی کی وجہ سے رعایا کے دلوں میں امیر عبداللہ کی کچھ بھی وقعت و محبت نہ تھی۔ امیر کی کمزوری اور بزدلی کے سبب فوج بد دل۔ اور اس کی عیارانہ چالوں سے عوام الناس اس سے سخت نالاں و بیزار ہوگئے تھے۔ امیر عبداللہ ایسے ظاہری و باطنی اوصاف کا حامل نہ تھا جن کی وجہ سے دوست اور دشمن اس کا احترام کرتے۔ دشمنوں پر اس کا رعب بالکل نہ تھا اس کی دو رویہ حکمت عملی اور ریاکاری سے رعایا اور حکام دونوں بد دل اور بدگمان رہتے تھے اور فی الحقیقت وہ شخص کیوں کر قابل اعتماد ہوسکتا تھا جس نے بھائی کو قتل کرکے تخت حاصل کیا ہو اور جس کے ہاتھ اپنے دو بیٹوں کے خون سے رنگین ہوں۔ اس لئے ملک

میں مستقل بدامنی قائم رہی۔ حکومت کی قوت کا انحصار دراصل رائے عامہ پر ہوتا ہے اور ریاست کی بنیادیں اسی وقت مضبوط اور مستحکم رہتی ہیں جبکہ عوام کی تائید وحمایت اس کو حاصل ہو اپنے اطوار اور طرز حکومت سے امیر عبداللہ نے عوام کی تائید وحمایت کو کھو دیا تھا۔ عام بیزاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بڑے بڑے صوبوں کے گورنروں نے امیر قرطبہ کی اطاعت وفرمانبرداری سے انکار کر کے اپنی آزادی اور خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ بڑے بڑے شہر مثلاً اشبیلیہ، قادیز، طلیطلہ، جیین، غرناطہ۔ بلنسیہ وغیرہ جن پر دولت قرطبہ کو بجا فخر وناز تھا دارالخلافہ سے قطع تعلق کر چکے تھے۔ اور سالانہ محاصل وخراج بھیجنا بند کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے شاہی خزانہ خالی ہو گیا۔ اور قرطبہ کی تجارتی منڈیاں سونی اور برباد ہو رہی تھیں۔ فتنہ وفساد کی وجہ سے قزاقوں اور غارتگروں کی مونج تھی اور ان کی تاخت وتاراج کی وجہ سے آمد ورفت کے ذرائع غیر محفوظ اور مسدود ہو گئے تھے شہروں اور قصبوں کے باشندوں کی بھی جانیں اور مال محفوظ ومامون نہ تھے صرف وہی لوگ اطمینان وآرام سے زندگی گذار سکتے تھے جو قلعوں یا جزیروں میں پناہ گزیں تھے باغیوں کی ترک وتاز سے شہر تباہ وبرباد ہو رہے تھے۔ وہ جوانوں اور مردوں کو تہ تیغ کرتے اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیتے۔ اندلس کی طوائف الملوکی اور بدامنی ضرب المثل ہو گئی تھی بقول صاحب "اخبار مجموعہ" یہ بات عام طور سے مشہور ہو گئی تھی کہ "اندلس فتنہ وفساد کا مرکز بن چکا ہے، اس عام بدامنی سے وہی لوگ محفوظ رہ سکتے ہیں جو قلعوں یا جزیروں میں پناہ لیں یہ بھی شہرت تھی کہ اب یہ فساد اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ اس کے اصلاح پذیر ہونے کی کوئی امید نہیں" اس وقت واقعی اندلس پر فتنہ وفساد کے بادل چھائے ہوئے تھے اور افق پر تباہی اور بربادی کے آثار کے

علاوہ امید اور خوشحالی کی کوئی کرن نظر نہ آتی تھی۔ منذر اور عبداللہ کی مستبدانہ حکمتِ عملی کی وجہ سے مملکت کے مختلف فرقے اور طبقے حکومت کے خلاف ہوگئے تھے۔ اور ابن حفصون کی پینتیس (۲) سالہ تحریکِ بغاوت اور جدوجہد بظاہر کامیاب ہوتی نظر آتی تھی خوشی اور غرور سے باغی پھولے نہ سماتے تھے۔ اور ان کے فخر و مباہات بجا تھے کیونکہ دارالخلافہ کی چاردیواروں کے باہر اب بنو امیہ کا کوئی بھی حامی اور خیر خواہ نہ تھا باغیوں کے خیالات اور امیر عبداللہ کے عہد حکومت میں عربوں کی سیاسی زبوں حالی اور کس میرسی کا صحیح نقشہ عبدالرحمن ابن احمد علی کی پرجوش نظموں میں ملتا ہے۔ باغیوں کی ترجمانی کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ "ہمارے دشمنوں کی برچھیاں ٹوٹ گئیں۔ ہم نے ان کے غرور کو نیچا دکھا دیا۔ جیسے وہ "ذلیل گروہ" کہا کرتے تھے آج اسی گروہ نے ان کی جڑ کاٹ دی اب ایک زمانے تک ان کے مردے جن کو ہم نے کنوئیں میں پھینک دیا ہے اس کے منتظر رہیں گے کہ کوئی ان کا انتقام لینے والا پیدا ہو" ——— اور ان کی یہ خوشی اور فخر و مباہات بجا تھے

زوال و ادبار کے آثار دیکھ کر بربری قبائل میں بھی سرکشی اور خودسری کا مرض پھر عود کر آیا تھا۔ کامیاب بغاوتوں کی دیکھا دیکھی بربری سرداروں نے بھی دولت قرطبہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی خاطر شاہی احکام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اپنی قدیم عادات کے مطابق لوٹ مار کے لئے کمر باندھ لی تھی۔ جنوب مغرب کے کل علاقہ پر وہ قابض تھے جیان کا مشہور اور معروف شہر بھی ان کے قبضہ میں آچکا تھا اور بقیہ حصہ ملک ان کی فساد انگیزیوں سے عاجز اور پریشان تھا۔ ملک کے طول و عرض میں بغاوتوں اور شورشوں کے طوفان امڈ رہے تھے۔ اور عام طوائف الملوکی کے زیر اثر مسلم آبادی بھی حکومت کے مخالف ہوگئی تھی اور اس طرح مغرب کے زرخیز علاقے بنو امیہ

کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔

داخلی مشکلات و انتشار کے علاوہ امیر قرطبہ کو شمال اور جنوب دونوں جانب دو طاقتور اور خطرناک دشمنوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ سب سے اہم اور نازک مسئلہ ملک کو عیسائیوں کی تاخت و تاراج سے محفوظ رکھنا تھا۔ اسپین کے شمالی اور پہاڑی علاقوں میں پلیو اور الفانسو کے جانشینوں نے اپنی طاقت کو نہایت ہی مستحکم اور مضبوط کر لیا تھا۔ ان میں عربوں اور مسلمانوں سے نفرت و دشمنی کا جذبہ اب بھی موجود اور پہلے سے زیادہ غضبناک تھا۔ ملک کو غیروں سے آزاد کرانے اور مسیحیت کو دوبارہ فروغ دینے کے ساتھ ساتھ سرزمین اندلس کو عربوں اور مسلمانوں کے وجود سے پاک کرنا ان کا نصب العین تھا۔ قومی عناد و حسد اور مذہبی جوش و جنون میں وہ دیوانے اور وحشی ہو رہے تھے وہ سپاہی اور غیر سپاہی میں کوئی تفریق و تمیز نہیں کرتے تھے۔ اور نہ عورتوں اور بچوں کا خیال و لحاظ کرتے تھے۔ کسی مسلمان کو خواہ عورت ہو یا بچہ معاف کرنا ان کے نزدیک ناقابل معافی گناہ تھا۔ اور مفتوحہ علاقوں میں خون کی ندیاں بہانا، شہروں اور کھیتوں کو نذر آتش کرنا ثواب سمجھا جاتا تھا۔ قتل و غارت کے علاوہ قبروں اور عبادت گاہوں کی بے حرمتی کو انھوں نے اپنا شعار بنا لیا تھا۔ اگرچہ عربوں نے ہر طرح کی مذہبی رواداری انصاف، رحمدلی اور دلجوئی کا رویہ اختیار کیا اور اندلس میں غیر مسلموں کی مذہبی عمارتوں اور عبادت گاہوں کی ہر طرح حفاظت و حرمت کی۔ ان کے حقوق اور مذہب کی حفاظت کے لیے ایک باقاعدہ محکمہ قایم کیا۔ لیکن ان سب باتوں کا ان "دیوانوں اور وحشیوں" پر کچھ بھی اثر نہ ہوا تھا۔ عربوں کو ستانے، نیست و نابود کرنے اور مسلمانوں کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے انھوں نے ہر ممکن طریقۂ عمل اختیار کیا۔ اس وقت مقابلہ عربوں اور

عیسائیوں کا نہ تھا بلکہ تعصب اور جاہلیت کا تہذیب و تمدن سے معرکہ تھا۔ اور عبدالرحمٰن کے سامنے صرف سلطنت و حکومت، خاندانی شرف و عزت کی حفاظت و استحکام کا ہی دشوار مسئلہ و سوال نہ تھا بلکہ تہذیب و تمدن کی بقاو حیات کا اہم مرحلہ تھا۔ پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی کے الفاظ میں "سوال یہ تھا کہ ان وحشی عیسائیوں کے ہاتھوں جو لکھنا پڑھنا تک نہ جانتے تھے۔ عربی تہذیب و تمدن کا جو روز افزوں ترقی پر تھا کیا درجہ ہوگا؟ ان وحشی جاہل عیسائیوں کا یہ حال تھا کہ جب انھیں اپنے کھیتوں کی پیمائش کرنی ہوتی تھی تو کسی مسلمان کو بلوا کر پیمائش کراتے تھے۔ اور جب لفظ "کتب خانہ" بولتے تھے تو ان کی مراد صرف ایک کتاب انجیل سے ہوتی تھی"

ایسے نازک دور میں جبکہ طوائف الملوکی کا دور دورہ شروع ہوگیا تھا اور اطراف واکناف میں مختلف حکومتیں قایم ہورہی تھیں اور جبکہ بقول ابن الاثیر" اندلس میں چاروں طرف بغاوت ہی بغاوت دکھائی دیتی تھی" امیر قرطبہ کو اگر کسی گروہ سے کچھ مدد اور تعاون کی امید ہوسکتی تھی تو وہ علمار اور فقہا کا گروہ تھا جن کو ہشام بن عبدالرحمٰن الداخل کے عہد سے سیاست اور امور سلطنت میں خاص درجہ اور دخل حاصل ہوگیا تھا اور حکم اول کی تمام تدبیروں اور کوششوں کے باوجود ان کا اثر و اقتدار اب بھی ہمہ گیر تھا عوام کی نظروں میں ان کی بڑی قدر و قیمت تھی۔ اور ایسے تشویشناک دور میں جبکہ اندلس میں اسلامی حکومت کا مستقبل تاریک نظر آتا تھا علماء اور فقہا ہی سے امید کی جاسکتی تھی کہ وہ آفات و مشکلات کا صحیح اندازہ کرکے مسلمانوں کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو متحد اور مضبوط بنانے میں حصہ لیں گے اور مسلمانان اندلس کی ڈوبتی ہوئی کشتی حکومت کو سہارا دیں گے لیکن وہ امیر عبداللہ سے اس قدر نالاں اور ناراض ہوگئے تھے کہ انھوں نے

اپنے خطبوں میں اور وعظوں میں حکومت پر لعنت و ملامت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور اپنی تہدید آمیز تقریروں سے کہ سلطنت اپنی عمر طبعی کو پہنچ کر ختم ہونے والی ہے مسلمانوں کو اور بھی زیادہ پست ہمت بنا دیا تھا اور اس طرح حکومت کا رہا سہا اثر و اقتدار بھی ختم ہو گیا تھا۔

بنو امیہ اور مسلمانان اندلس کے دیرینہ دشمنوں کے لئے یہ موقع نہایت ہی غنیمت اور بہتر تھا۔ ملک کا اتحاد ختم ہو چکا تھا۔ اور وہ علامہ ابن خلدون کے الفاظ میں "شر و فساد اور عصیان و بغاوت کی آگ میں جل رہا تھا" عربوں کی قومی عصبیت سسکیاں لے رہی تھی اور سلطنت چھوٹی چھوٹی کمزور مگر خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہو چکی تھی جن میں سے ایک بھی اس قابل نہ تھی کہ وہ لیون کے ظالم، سفاک اور پرجوش عیسائیوں کی ترک و تاز سے اندلس کو محفوظ و مامون رکھ سکے عیسائی اب اسلامی اسپین ایک بے دست و پا یا بے بال و پر شکار خیال کرنے لگے تھے جو کبھی بھی ان کے پنجوں سے نہ بچ سکیگا۔ پروفیسر ڈوزی کے الفاظ میں "جنوبی اقطاع اسپین کو جو مسلمانوں کے قبضے میں تھے عیسائیوں نے اس نظر سے دیکھنا شروع کر دیا تھا جیسے قزاق لٹیرے مسافر کے مال کو دیکھتے ہیں .... ان کے پادریوں نے جن کے بے انتہا معتقد تھے یہ سمجھا دیا تھا کہ "آسمانی بادشاہی" میں شریک ہونے کے لئے مسلمانوں سے لڑنے سے بہتر کوئی وسیلہ نہیں۔ اندلوسیہ یعنی اسپین کے جنوبی علاقے جو بہت دولتمند ہیں اور مسلمانوں کے قبضے میں ہیں ان کو لوٹنے میں دین اور دنیا دونوں کی برکتیں حاصل ہوں گی" برخلاف اس کے مسلمانوں کے دینی رہنماؤں اور مذہبی پیشواؤں۔ حکومت و سلطنت کے زوال اور خاتمہ کی دلخراش پیشینگوئیوں سے حکومت کا رعب

داب بھی ختم کردیا تھا طوائف الملوکی کی تاریکی اور غم انگیز اداسی سارے ملک پر چھائی ہوئی تھی اور مقتدایان دین کے الفاظ میں ہر شخص اس وقت کا منتظر تھا جب امیر لشکر ابن حفصون بڑی ناک قبیح چہرے والا قرطبہ کے پھاٹکوں کے سامنے آموجود ہوگا اور اس کی (اندلس اور قرطبہ) کی منحوس تقدیر کا فیصلہ ہو جائے گا۔

مسلمانان اندلس کی عظمت و اقتدار کا چراغ بے روغن ہوچکا تھا۔ اور اس کی ٹمٹماتی ہوئی لَو کو خاموش کرنے کے لئے بادِ مخالف کے صرف ایک جھونکے کی ضرورت تھی۔ عرب دبربر، مسلمان اور عیسائی سب اس وقت کے منتظر تھے جبکہ قرطبہ کی چوٹیوں پر سے ہلالی علم اُتار کر ابن حفصون کا صلیبی پرچم لہرایا جائے۔ طارق ابن زیاد کے روشن کئے ہوئے چراغِ حکومت کو بجھانے کے لئے اس سے بہتر وقت اور موقع نہیں ہوسکتا تھا ہسپانوی عیسائیوں کو موسیٰ ابن نصیر کے ہاتھوں جو ذلت اور شکست اٹھانی پڑی تھی اس کا بدلہ لینے کا وقت آگیا تھا۔ پشتہا پشت کی سرفروشانہ جد وجہد کے بعد اب انھیں یقین ہو چلا تھا کہ وہ اپنی کوششوں پر کامیاب ہوں گے اور اسپین میں پھر سے عیسائی پرچم گاڑدیں گے بقول پروفیسر ڈوزی اب ان کے دل میں یہ سوال پیدا ہوگیا تھا کہ کیا اسلامی اسپین ان کے پنجہ سے کبھی بچ سکے گا اگر وہ بچ گیا تو پھر عیسائیوں کی تقدیر ہمیشہ کے لئے پھوٹ جائے گی۔

عبد الرحمٰن کی تخت نشینی | عین ایسے بحران کے دور میں جبکہ ملک کی اخلاقی اور مالی حالت بد سے بدتر ہو رہی تھی اور ہر طرف لوٹ مار، بدامنی اور بغاوت کا دور دورہ تھا اکتوبر ۹۱۲ء میں امیر عبد اللہ کا انتقال ہوگیا اور اکیس۲۱ سال کی نو عمری میں عبد الرحمٰن سریر آرائے سلطنت ہوا ملک کی سیاسی و اقتصادی حالت دیکھتے ہوئے ایک کم سن اور نو عمر و ناتجربہ کار خلیفہ کو تخت پر متمکن دیکھ کر کسی کو یہ وہم وگمان بھی نہ ہوسکتا تھا کہ وہ اسپین کی کایا پلٹ کردے گا۔ نوجوان امیر

کے لئے دولتِ قرطبہ پھولوں کی سیج نہ تھی بلکہ دہکتی ہوئی آگ کی بھٹی تھی مگر بقول لین پول "ایک بڑا بادشاہ ایک بڑی ضرورت کا نتیجہ ہوا کرتا ہے جب قوم حد درجہ پریشان ہو جاتی ہے جب زمانہ کے سر خط و خال سے خرابی کے آثار ٹپکنے لگتے ہیں اور افق پر بربادی اور نحوست کے آثار دکھائی دیتے ہیں تب ایک بڑا بادشاہ اس لئے آتا ہے کہ اپنی قوم کو ہلاکت سے بچائے۔ امن و خوشحالی پھیلاتے اور ایک ایسے ملک پر حکمرانی کرے جو اس کی کوششوں سے دوبارہ خوش و خرم اور خوش حال بن گیا ہو۔ دسویں صدی کے آغاز میں اندلس کو ایسے حکمراں کی سخت ضرورت معلوم ہوتی تھی"

نئے امیر کی خوبیاں | نوجوان عبدالرحمٰن میں وہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں جو دلوں کو موہ لیتی ہیں ظاہری حسن و دلکشی کے علاوہ وہ باطنی اوصاف سے بھی مزین تھا۔ امیر عبداللہ کو اپنے پوتے سے خاص انسیت اور محبت تھی یتیم شاہزادے کی تربیت اور پرداخت میں اس نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔۔۔۔۔

تہذیب و تمدن کے لحاظ سے یورپ کا کوئی ملک اسپین کا ہم پلہ نہ تھا اور قرطبہ تو علوم و فنون کا مرکز و مخزن تھا جس کے علماء و حکماء کا چار دانگ عالم میں شہرہ تھا جن کی تعظیم و تکریم کے لئے خلیفہ تک اٹھ کھڑے ہوتے تھے عبدالرحمٰن کی خوش نصیبی تھی کہ دادا کو اس کی تعلیم و تربیت میں خاص دلچسپی رہی۔ اپنی سنجیدگی و متانت، زود فہمی و ذہانت سے عبدالرحمٰن نے بہت ہی جلد علماء و اساتذہ کی نظروں میں خاص عزت و وقعت حاصل کر لی تھی۔ اس کے حسن اخلاق، عزم و استقلال رائے اور سیاسی معاملات میں دقت نظر کی بنا پر ارکان سلطنت اس کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ مروت و سخاوت اور ہمت و بہادری کی وجہ سے وہ عوام میں نہایت ہی مقبول ہو گیا تھا۔ غرض کہ عوام و خواص سب ہی اس کی فہم و شعور اور استقلال و اولو العزمی

کے قائل و ثناگو تھے ۔ اس کی ہر طبقہ و فرقہ میں انتہائی ہر دلعزیزی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عام تاریخی روایات کے خلاف تمام دعویداران سلطنت نے جن میں اس کے چچا اور دوسرے بزرگ بھی شامل تھے نہایت ہی خندہ پیشانی اور خوش دلی سے اس کو اپنا امیر تسلیم کرلیا صرف یہی نہیں بلکہ بغاوت کو فرو کرنے اور ملک میں امن و امان قائم کرنے میں نہایت ہی خلوص اور عالی حوصلگی سے اس کے ساتھ تعاون بھی کیا اس کی تخت نشینی سے ہی مردہ دلوں میں پھر جان پڑ گئی تھی اور خیر خواہان دولت امیہ کو امید پیدا ہوگئی کہ شاید بنو امیہ کی تقدیر کا پانسہ پلٹ جائے اور عہد رفتہ کی عظمت و اقتدار دوبارہ عود کر آئے حالات اور نزاکت زمانہ کے لحاظ سے امیر قرطبہ کی کامیابی کے لئے جن خوبیوں کی ضرورت تھی حسن اتفاق سے عبدالرحمٰن ان سب صفات سے آراستہ تھا وہ غیر معمولی طور سے بلند نظر، مستقل مزاج، بہادر اور بردبار تھا ۔ اس کی فیاضی، کشادہ دلی، اور اخلاق شاہانہ سے لوگ نہایت خوش اور مطمئن تھے اپنی نرم مزاجی اور نیکی کی وجہ سے تخت نشینی سے قبل ہی رعایا کے دلوں کو اس نے مسخر کرلیا تھا اس کی خوبیوں کی بنا پر جو عالم جوانی میں ظاہر ہو چکی تھیں عوام و خواص سب کو امید تھی کہ عبدالرحمٰن کی تخت نشینی سے اندلس کی تاریخ میں ایک نئے دور اور باب کا آغاز ہوگا ۔

عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی عبدالرحمٰن کو ایسے مشکلات اور مصائب سے دو چار ہونا پڑا کہ عبدالرحمٰن الداخل کے جانشینوں میں اب تک کسی امیر کو ان سے سابقہ نہ پڑا تھا یہ مشکلات ایسی نہ تھیں کہ ان کی وجہ سے صرف بنو امیہ کا اقتدار ہی معرض خطر میں ہوتا بلکہ اندلس میں عربوں اور اسلام دونوں کی زیست و بقا کا سوال تھا ۔ اس کو نہ صرف بغاوتوں اور شورشوں کا قلع قمع کرنا اور بحری لٹیروں اور قزاقوں کو سخت سزائیں دے کر راستوں کو محفوظ کرنا تھا بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ خود سر جاگیرداروں اور فرض ناشناس افسروں کی طاقت کو سلب

کرکے ان کی ناشائستہ حرکات اور ظلم وستم کا انسداد اور پھر انتظام حکومت کو بھی درست کرنا تھا ملک کی اخلاقی اور سیاسی حالت کے علاوہ تجارت کو بھی فروغ دینا تھا اور سب سے بڑھ کر ابن حفصون کی اس بیس سالہ تحریک بغاوت کو بھی ختم کرنا تھا جس نے بنو امیہ کی حکومت کی جڑوں تک کو ہلا دیا تھا۔

داخلی حکمت عملی | نوجوان امیر کو نہ صرف باغیوں اور شورش انگیزوں کا مقابلہ اور استیصال کرنا تھا بلکہ سب سے اہم اور مشکل مسئلہ عام رعایا کی تالیف قلوب تھی جو امیر عبداللہ کی تلون مزاجی اور بے موقع نرم وگرم پالیسی سے نالاں اور بیزار ہو چکی تھی۔ حکمران کا اصلی سہارا رائے عامہ کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہوتی بلکہ بقول ہیوم "قوت اور طاقت دراصل محکوموں کے ساتھ ہوتی ہے" عبدالرحمٰن نے فیصلہ کیا کہ جب تک عوام کی تائید اور حمایت اس کو حاصل نہ ہوگی اس کی حکومت کی بنیادیں مضبوط اور مستحکم نہ ہو سکیں گی اس لئے تخت نشین ہوتے ہی نوجوان امیر نے وہ کام کرنے شروع کیے جن سے عام لوگ گرویدہ اور فرمانبردار ہو جائیں اور ان کی امیر قرطبہ سے منافرت ومخالفت باقی نہ رہے سب سے پہلا کام جو عبدالرحمٰن نے کیا وہ ٹیکسوں اور محصولوں میں کمی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے امیر عبداللہ کی کمزور اور پیچیدہ پالیسی کے بجائے ہمت اور صاف گوئی سے کام لینا شروع کیا عام معافی کا اعلان کرتے ہوئے اس نے یہ واضح کر دیا کہ "اسے صرف زبانی وفاداری، مالیے کے خراج اور رسمی نذرانوں کی ضرورت نہیں بلکہ وہ حقیقی فرمانبرداری کا طالب ہے مجھے خراج کی نہیں قلعوں اور شہروں کی ضرورت ہے جو لوگ اطاعت قبول کریں گے ان کو پوری معافی دی جائیگی جو انکار کریں گے ان کو قابل عبرت سزا ملے گی۔"

پر وہ صرف الفاظ پر ہی قانع نہ رہا بلکہ بہ نفسِ نفیس خود میدان عمل میں آیا اور باغی علاقوں

کی تسخیر کے لئے فوج کشی کی چونکہ اس کی لیاقت وقابلیت، ہمت وبہادری، انصاف اور رعایا پروری کا شہرہ عام ہو چکا تھا اس لیے باغی شہروں اور سرکش سرداروں نے بلا کسی مزاحمت کے امیر کی اطاعت قبول کر لی اور امان وعفو کے طالب ہوئے۔

باغی علاقوں کا سکون | سیفت کرنے والے شہروں میں الیتی جا - جین - آرچی ڈونا اور الویرا خاص طور سے ممتاز تھے۔ کیونکہ انھی بڑے بڑے شہروں کی نمک حرامی سے تمام سلطنت میں آفت برپا ہو رہی تھی" لیکن صوبجات الویرا اور جین کے باغیوں نے اپنی بہادری اور کوہستانی علاقوں وقلعوں کے زعم میں امیر کے اعلان کی پرواہ نہ کی۔ ان کو یہ خیال اور یقین تھا کہ ان کے قلعے ناقابل تسخیر ہیں۔ سیرا نیواڈا۔ اور سیرا فیاڈی رونڈا کے کوہستانی علاقوں میں شاہی افواج اور علم دیکھے ہوئے لوگوں کو ایک مدت ہو گئی تھی۔ اور حکومت کا رعب خاک میں مل چکا تھا ان کوہستانی علاقوں کی تسخیر میں عبدالرحمٰن نے اپنی بیدار مغزی اور سیاسی تدبر کے ساتھ ساتھ جرأت واستقلال کا بھی ثبوت دیا حکومت کا اقتدار از سر نو قایم کرنے کے لئے آزمودہ اور وفادار فوج مفتوحہ علاقوں میں تعینات کی۔ اور عادل ومنصف حاکم مقرر کیے جو بلا امتیاز مذہب وملت اور بغیر کسی رو رعایت کے اپنے فرائض انجام دیتے عوام کے لیے عام معافی کا اعلان کیا گیا امیر کے مربیانہ اور منصفانہ طرز عمل نے عوام کو اس کا گرویدہ بنا دیا اور وہ کٹر باغی جو امیر عبداللہ کی جابرانہ پالیسی کی وجہ سے آخری قطرۂ خون تک مقابلہ ومقاتلہ کے لیے تیار تھے عبدالرحمٰن کی اطاعت ووفاداری کا حلف اٹھانے کے لئے تیار ہو گئے اس طرح اس کی فیاضی۔ فراخدلی اور بردباری کی وجہ سے صرف تین ماہ کی مختصر مدت میں الویرا اور جین کے صوبوں میں اس کی حکومت دوبارہ قایم ہو گئی۔ ایک عقلمند، سیاست داں اور روشن دماغ حکمراں کی طرح عبدالرحمٰن نے صرف باغیوں کو کچلنے اور بغاوت فرو کرنے پر ہی اکتفا نہ کی

بلکہ وہ صحیح معنوں میں نظام حکومت کی اصلاح، استواری اور دولتِ قرطبہ کے زائل شدہ وقار کو دوبارہ قائم کرنے کا متمنی تھا۔ امیر عبداللہ کی طرح وہ سرداروں اور امیروں کی چاپلوسی اور وفاداری کے بلند آہنگ زبانی وعدوں سے مطمئن نہ تھا بلکہ عبدالرحمٰن الداخل کی طرح اس کی خواہش اور کوشش تھی کہ سارے ملک میں امیر قرطبہ کی حکمرانی اور فرمانروائی ہو تمام سردار اور جاگیردار جو ہمیشہ فتنہ و فساد برپا کرتے اور امن عامہ میں خلل ڈالتے رہتے تھے امیر کے قابو میں رہیں اور ان کی یہ مجال نہ ہو کہ وہ احکام سلطانی سے سرتابی کریں۔ یہ کام نہایت اہم اور مشکل تھا تاہم جس استقلال و تدبر سے عبدالرحمٰن نے امرا و افسران کی اصلاح کی وہ اپنی آپ مثال ہے، چنانچہ جس خوش اسلوبی اور شاہانہ استقلال سے عبدالرحمٰن نے محمد بن ابراہیم کی ناشائستہ حرکتوں پر صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے اس کی خودسری کا علاج کیا اس سے ہمیں اس کے حیرت انگیز تحمل و تدبر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ قرطبہ سے قرمونہ جاتے ہوئے محمد بن ابراہیم نے کچھ لوگوں کے مویشی پکڑ لیے اور اس طرح اس نے امیر سے اپنی بددلی اور ناخوشی کا اظہار کیا کہ اشبیلیہ کی فتح کے بعد اس کو وہاں کا گورنر کیوں نہ بنایا گیا رپورٹ ملنے پر عبدالرحمٰن نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی اور کہلایا کہ "اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ قلعوں کے مالک رعایا کا مال لوٹ لیا کرتے تھے۔ اور کوئی ان کا کچھ نہ کر سکتا تھا تم پر فرض ہے کہ جن جن کے مویشی تم نے پکڑے ہیں ان کو واپس کر دو" بات سمجھ میں آگئی اور محمد بن ابراہیم نے امیر کی ہدایت کے مطابق واپس کر دیے معاملہ ختم ہو گیا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد خودسری کا سودا پھر سمایا عبدالرحمٰن نے اشبیلیہ کی دیواروں کو منہدم کرا دیا تھا تاکہ آئندہ پھر کسی حاکم کو بغاوت اور سرکشی کا خیال بھی نہ پیدا ہو محمد بن ابراہیم نے خیال کیا کہ اپنی طاقت بڑھانے اور امیر سے انتقام لینے کے لیے اس سے

اچھا موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا اور اشبیلیہ پر قبضہ کرنے کے لئے فوج کشی کی مگر شکست کھائی۔ عفو درگذر سے کام لیتے ہوئے عبدالرحمٰن نے قرطبہ کے صاحب الشرطہ قاسم بن ولید کلبی کو جو محمد بن ابراہیم کا دوست تھا اس کو سمجھانے کے لئے بھیجا "دیکھو تم کو پھر شبہ کیا جاتا ہے کہ تمہارے خیالات پرانی قسم کے ہیں۔ اب بھی ان سے پرہیز کرو زمانہ بدل چکا ہے۔" قاسم نہایت ہی ہوشیار اور ہوشمند آدمی تھا اس نے محمد بن ابراہیم کو امیر کی اطاعت اور قرطبہ میں حاضر خدمت ہونے کے لئے راضی کر لیا۔ فراخدلی اور عالی حوصلگی سے کام لیتے ہوئے امیر نے بھی اس کا نہایت ہی خوشدلی سے استقبال کیا اور حاجب کبیر کا خطاب دیکر اپنا وزیر بنایا۔

عبدالرحمٰن کی دوربین اور نکتہ رس نگاہ نے اس بات کا شروع ہی میں اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر تحریکِ بغاوت کو فی الواقع کچلنا ہے تو یہ اشد ضروری ہے کہ ریہ کے وسیع زرخیز اور کثیر المحاصل علاقہ کو اپنے قبضہ واقتدار میں لائے صرف ان شہروں کے فتح کرنے اور ان سرداروں کو مغلوب کرنے سے کوئی خاص فائدہ نہیں۔ جو باغیوں کی ریشہ دوانیوں اور چالوں کے زیر اثر امیر کے خلاف حصہ لیتے اور سازشوں اور شورشوں میں تھے۔ اگر ریہ کے سرکش باغیوں کا قرار واقعی انتظام ہو جائے تو ملک میں شورش اور فتنہ وفساد کا سلسلہ آپ ختم ہو جائے گا۔ وہ یہ بھی بخوبی جانتا تھا کہ ریہ کو تسخیر کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ کیونکہ اول تو علاقہ پہاڑی اور دشوار گذار تھا اور پھر مقابلہ خالص اور پرجوش عیسائی آبادی سے تھا جن کو حب الوطنی کے ساتھ ساتھ مذہبی حمیت وجوش بھی امیر کی مخالفت پر ابھار رہا تھا مگر کوہستان ریہ کی تسخیر میں عبدالرحمٰن کو اس کی مستقل مزاجی، حسن اخلاق اور عدل و انصاف کی شہرت سے بہت آسانی اور سہولت ہوئی۔ عرب اور عیسائی تمام مورخین

اس بات پر متفق ہیں کہ امیر عبدالرحمٰن مذہبی تعصب اور تنگ نظری سے بالکل بری تھا۔ اس کی قلمرو میں بلا امتیاز مذہب و ملت ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کیا جاتا اور وہ خود عیسائیوں کے ساتھ فراخدلی اور فیاضی سے پیش آتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی سرداروں نے بھی بغیر کسی خاص مخالفت اور مزاحمت کے ہتیار ڈال دیئے۔ اور امیر کے مربیانہ و منصفانہ طرز عمل پر اعتماد کرتے ہوئے اطاعت قبول کر لی صرف قلعہ طوش پر محاصرہ و جنگ کی نوبت آئی کیونکہ ابن حفصون وہاں خود موجود تھا لیکن عبدالرحمٰن کی مستقل مزاجی اور جرأت سے مجبور ہو کر ابن حفصون کو قلعہ چھوڑ کر جان بچانے کے لئے بھاگنا پڑا۔

ملک میں انقلاب | امیر عبدالرحمٰن کی خوش قسمتی سے ملک میں ایک نیا انقلاب شروع ہو چکا تھا سرکش اور شتر بے مہار عرب امیروں کا اب کوئی قابل اور بیدار مغز لیڈر نہ تھا۔ سعید بن جودی کریب بن خلدون اور ابراہیم بن حجاج کی وفات کے بعد امراء و رؤساء عرب کا شیرازہ منتشر ہو گیا تھا۔ بدامنی و طوائف الملوکی سے عوام تنگ آ چکے تھے۔ بتیس (۳۲) برس کی مسلسل مجنونانہ خانہ جنگی اور لوٹ مار کی وجہ سے کافی علاقہ ویران اور تباہ ہو چکا تھا لہلہاتے ہوئے کھیت اور باغات کی جگہ ملک میں نکبت و ادبار کا دور دورہ تھا تجارت ختم ہو رہی تھی اور تہذیب و تمدن کے برکات یکسر مفقود تھے تباہ کن خانہ جنگی کے باوجود مالی و جانی نقصانات فصلوں کی تباہی اور زرخیز علاقوں کی بربادی کے علاوہ انھیں اور کچھ ثمرہ یا نتیجہ حاصل نہ ہوا تھا اندلس میں عربوں کا اقتدار پہلے کی طرح قایم برقرار تھا ملکی آزادی اور قومی حکومت کا خواب ہنوز شرمندۂ تعبیر تھا اور مستقبل قریب میں بھی پورا ہوتا نظر نہ آتا تھا ابن حفصون اور اس کے پرجوش عیسائی رفقاء کی تبلیغی کوششوں، مسلمان سرداروں سے بے اعتنائی و تفریق کے برتاؤ، مسجدوں کی بے حرمتی اور ان کی جگہ گرجاؤں کی تعمیر، ابن حفصون کے دربار میں راہبوں کا عروج و اقتدار، ان سب باتوں نے اپنے مسلمانوں کو برگشتہ کر دیا۔

(باقی آئندہ)

ابو المظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی

(از جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی)

نام | مرزا عبد اللہ نام تھا ارباب خاندان عالی گہر سے خطاب کرتے تھے عزیز الدین عالمگیر ثانی کے خلف اور معز الدین جہاں دار شاہ کے پوتے تھے ماں کا نام لال کنور تھا بادشاہ ہوکر ابو المظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی لقب اختیار کیا والدہ کا سایہ بہت کم عمری میں سر سے اٹھ گیا تو سوتیلی والدہ نواب زینت محل نے سگی ماں سے بڑھ کر پرورش کی[1] ۱۷ ذیقعدہ ۱۱۴۱ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

تعلیم و تربیت | علم سے طبعی لگاؤ تھا عربی، ترکی، فارسی، سنسکرت[2]، ہندی میں استعداد معقول بہم پہنچائی خطاطی میں بھی درک تھا تصوف سے تعلق رکھتے تھے سید محمد مراد درویش کے مرید ہوئے مولانا فخر الدین سے بھی افادہ کرتے رہتے تھے تھوڑا بہت موسیقی میں بھی دخل تھا۔

ولیعہدی | علی گہر کو عالمگیر ثانی نے ولیعہد قرار دے لیا تھا عماد الملک غازی الدین کے فتنہ سے ولی عہد کو بچانے کے لئے جھجر اور ہانسی کے پرگنے جاگیر میں دے کر دہلی سے چلے جانے کی اجازت دے دی[3]

عالی گہر تال کٹورے پہنچ کر سلطنت کو وزیر عماد الملک کے دست تغلب سے نجات دینے کے لئے فوج بھرتی کرنی شروع کر دی اس خبر نے وزیر کو متفکر کر دیا اور اس

---

[1] واقعات عالم شاہی [2] شاہ عالم نامہ صفحہ ۵ [3] خزینۃ الاصفیا نادرات شاہی صفحہ ۲

نے زبردستی سے بادشاہ سے منشئے بھجوائے علی گوہر باپ کے بلانے پر دہلی گئے گر جمنا
کے کنارے علی مردان خاں کی حویلی میں قیام کیا عماد الملک نے بد عہدی کی اور ولی عہد
کے مسکن کو محاصرہ میں لے لیا یہ بدقت عیلیار ہو کر ہانسی حصار پہنچے وہاں سے نواب
نجیب الدولہ کی دعوت پر گنجپورے کے راستے میراں پور پہنچے نواب نے ولی عہد بہادر کو ہاتھوں
ہاتھ لیا اور پچاس ہزار روپیے ماہوار اخراجات کے لئے نذر کرنا شروع کیے نجیب الدولہ
نے بہت ہاتھ پیر مارے روہیلوں کو تیار کیا جاٹوں سے مدد لینا چاہی کہ ولی عہد کو سامنے
رکھ کر عماد الملک سے اپنا انتقام لے ایک سال تک علی گہر ان کے پاس مقیم رہے آخرش
یہاں کوئی صورت بنتے نہ دیکھی لکھنؤ روانہ ہو گئے ۹ رجمادی الاول ۱۱۷۳ھ کو شجاع الدولہ
نے شایان شان استقبال کیا۔ اور ہاتھی گھوڑے خیمے ڈیرے سارا امارت کا سامان مہیا
کر کے پچاس ہزار روپیہ کی نذر پیش کی اور اپنے پاس رکھا۔

بنگال کا قضیہ | بنگال میں نواب سراج الدولہ کی جگہ انگریزوں نے میر جعفر کو ناظم بنا دیا تھا۔
ابھی کچھ ہی دن نظامت کو گذرے تھے کہ سارا ملک اس کے ہاتھوں تنگ آگیا۔ محمد قلی خاں
الہ آباد کے صوبہ دار نے اس موقعہ سے یہ فائدہ اٹھانا چاہا بنگال پر خود قبضہ کرے چنانچہ ولی
عہد کی تاک میں تھا نجیب الدولہ کے قیام کے دوران میں خطوط لکھے تھے کہ آپ الہ آباد
آ جائیے چنانچہ علی گہر اور شجاع الدولہ میں مشورہ ہوئے اور الہ آباد پہنچے۔ یہاں محمد قلی خاں
نے لشکر تیار کر رکھا تھا۔ ۷ رجب ۱۱۷۳ھ کو ولی عہد بہادر بنگال کی فتح کے لئے روانہ ہو گئے
"کرم ناسا" ندی کو پار کیا۔ ابتدائی لڑائیوں میں ان کا پلہ بھاری رہا۔ لیکن انگریزوں کی فوج
کی آمد کی خبر نے محمد قلی خاں کو دل برداشتہ کر دیا عالی گہر اس سے بے خبر تھا کہ میراژدہا در حقیقت
اب جعفر سے نہیں ہے بلکہ ایک نئی اور بالکل اجنبی قوم سے ہے جس کی قوت عقلی اور حکمت